© rasailojaraid.com

اکبر بگٹی کا قتل...... جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حافظ سجاد سی

ایران کا مشہور بادشاہ ''دارا'' ایک دن شکار کھیلتا ہوا، اس مرغزار میں پہنچ گیا، جہاں اس کے گھوڑے چرا کرتے تھے۔ بادشاہ کا لشکر پیچھے رہ گیا اور اس وقت وہ تنہا تھا۔ گلہ بان نے دارا کو دیکھا تو اس کی رہنمائی کے لئے آگے بڑھا۔ دوسری طرف بادشاہ نے خیال کیا کہ یہ کوئی دشمن ہے جو مجھے تنہا پا کر بری نیت سے میری طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے فوراً کندھے سے کمان اتارلی اور گلہ بان کا نشانہ لے کر تیر چلانے کا ارادہ کیا۔ گلہ بان نے یہ دیکھا تو خوفزدہ ہو کر چلا ''حضور! مجھے پہچانیے، میں دشمن نہیں، آپ کے گھوڑوں کی نگرانی کرنے والا گلہ بان ہوں''۔ دارا نے یہ سنا تو ہاتھ روک لیا اور کہا تیری قسمت اچھی تھی جو بچ گیا، ایک ساعت اور خاموش رہتا، تو ہلاکت یقینی تھی۔ گلہ بان نے کہا'' بادشاہ سلامت! یہ بہت تعجب کی بات ہے کہ آپ اپنے اسی خادم کو نہ پہچان سکے جو کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکا ہے، میں ایک معمولی چرواہا ہوں لیکن اپنے گلے کے ایک ایک گھوڑے کو پہچانتا ہوں، آپ جو گھوڑا طلب فرمائیں، میں لاکھ گھوڑوں میں سے اسے نکال لاؤں گا، اے عالی وقار بادشاہ! یہ ہرگز مناسب نہیں کہ آپ اپنی رعایا سے اس طرح غافل ہوں کہ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کرسکیں، حکمرانوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ رعایا کے تمام افراد کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہوں۔ حکمران کو چاہیے کہ وہ اپنا چھپر کھٹ آسمان پر نہ بچھائے، زمین پر رہ کر رعایا کا دکھ درد جانے اور ہر فریادی کی فریاد اس کے کانوں تک پہنچے، بادشاہ سلامت! اگر کوئی ظالم کسی پر ظلم کر رہا ہے تو وہ دراصل تیرا ظلم ہے۔ اگر کتا کسی کا دامن پھاڑتا ہے تو وہ دامن کتا نہیں بلکہ وہ شخص پھاڑتا ہے جو اس کا مالک ہے۔

''بوستان'' کی اس حکایت میں سعدی رحمہ اللہ اپنے مخصوص انداز میں حکمرانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ حکمرانوں اور عوام میں گہرا رابطہ ضروری ہے۔ جس حکمراں کو عوام کے دکھ درد کا علم نہ ہو، دوست دشمن کی تمیز نہ ہو، وہ ظلم کا سدباب نہ کرسکے اور اپنا چھپر کھٹ آسمان پر بچھائے رکھے تو اس کا اقتدار ناپائیدار ہوتا ہے۔ جہاں بھی کوئی ناانصافی ہوتی ہے۔ اس کا ذمہ دار وقت کا حکمران ہوتا ہے۔ حضرت سعدی رحمہ اللہ کی اس حکایت کو سامنے رکھیں اور بلوچستان سمیت ملک کے مجموعی حالات کو دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ ہمارے حکمران بصیرت اور بصارت دونوں سے محروم ہیں۔ وہ اپنے راستے سے کانٹے چننے کی بجائے پورے کھیت میں کانٹے لگانے کی مہم جوئی میں مصروف ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلوچستان میں نواب اکبر بگٹی کے خلاف حالیہ کارروائی اس کی واضح مثال ہے، وہ شخص نواب گورتھا، اسے مار کر ہیرو بنا دیا گیا ہے۔ ہمارے ملک کا المیہ یہ ہے کہ ہمارے مقتدرین کارروائی پہلے کرتے ہیں اور سوچتے بعد میں ہیں۔ بگٹی کی ہلاکت سے تدفین تک کے تمام مراحل کو سامنے رکھیں تو اس کی تصدیق آسانی سے کی جاسکتی ہے کہ زندہ بگٹی اگر لاکھ کے تھے تو مردہ بگٹی سوالاکھ کے بنادیئے گئے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

پاکستان کی سیاسی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہمارے حکمران چاہے، وہ سویلین ہوں یا فوجی، ماضی کی غلطیوں سے سبق نہیں سیکھتے۔ انہوں نے ہمیشہ ''نظریہ ضرورت'' کے تحت غداری اور حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ جاری کیے۔ شیخ مجیب، بھٹو، ولی خان، عطاء اللہ مینگل، غوث بخش بزنجو، بے نظیر، نواز شریف، الطاف حسین، محمود اچکزئی، خیر بخش مری، مذہبی قوتوں کے کئی راہنما، جماعت اسلامی و جمعیت علمائے اسلام کے راہنماؤں سمیت، کتنے ہیں جنہیں ''غدار'' کہا گیا مگر جب مقتدرہ قوتوں کو ان کی ضرورت پڑی، تو انہی ''غداروں'' کی چاکری کی گئی۔ شیخ مجیب اس لئے غدار ٹھہرا کہ اس نے یحییٰ خان کی آئندہ صدارت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ یحییٰ خان کو نئے سیٹ اپ میں صدر مان لیتا تو وہ وزارت عظمیٰ کی کرسی پر براجمان ہوتا۔ حیف ہے یحییٰ خان پر کہ اس نے ذاتی مفاد تو قربان نہ کیا، مگر آدھے سے زیادہ ملک گنوا دیا۔

ہمارے ملک میں افراد بھلے سے ریاست کے وفادار ہوں، لیکن اگر وہ حکومت وقت کے وفادار نہیں تو انہیں اری کا سرٹیفکیٹ بطور انعام ملتا ہے۔ قوم پرست ولی خان کی ضرورت پڑی تو ولی باغ پہنچ کر حب الوطنی کے گن گائے جاتے ہیں۔ ایم کیو ایم کی حالیہ مثال لے لیں کہ، وہ ایک وقت تھا جب ''جناح پور'' کے نقشے اور ٹارچر سیلوں کا ہر طرف چرچا ما۔ الطاف حسین اس وقت سے اب تک لندن میں مقیم ہیں، مگر حکومت کو ایم کیو ایم کی بیساکھیوں کی ضرورت پڑی تو اس نت وہ محب وطن ہے۔ اس کا ایک نمائندہ گورنر ہاؤس میں براجمان ہے۔ سربراہ مملکت الطاف حسین سے ٹیلی فون پر بات رتے اور وزیر اعظم ان سے ملاقات کرتے ہیں۔ بھٹو نے جن بلوچ سرداروں کے خلاف فوجی ایکشن کرایا، جنرل ضیاء الحق نے انہی کو نہ صرف محب وطن قرار دیا بلکہ ان کے خلاف قائم کیے گئے حیدرآباد ٹریبونل کو ختم کیا۔ ان میں سے کئی بیرون ملک سے حکومتی جہازوں پر واپس آئے۔ نواب شیروف اور اجمل خٹک انہی لوگوں میں سے ہیں۔ جی ایم سید جیسے ''غدار'' کے ہاں جنرل ضیاء الحق خود چل کر نہ جاتے تو سندھو دیش کی تحریک کیسے سرد ہوتی۔ یہی معاملہ نواب اکبر خان بگٹی کا ہے۔

جون 1947ء میں بلوچستان میں جو ریفرنڈم ہوا، اس میں بگٹی کا ووٹ پاکستان کے لئے تھا۔ یوں برٹش بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت کے لئے راہ ہموار کرنے والوں میں وہ شامل تھے۔ ویسے تو اکبر خان اپنے والد نواب محراب خان کی وفات ۱۹۳۹ء کے بعد ۱۲ برس کی عمر میں جب کہ وہ لاہور کے ایک کالج میں زیر تعلیم تھے، سردار بنائے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکران کے چچا جمال بگٹی قبیلے کے نگران سردار مقرر رہوئے۔۱۹۴۶ء میں اکبر خان سرداری سنبھالنے کی عمر کو پہنچے تو انہیں تمام اختیارات سونپ دیے۔ اسی سال انہوں نے تخلیق پاکستان کے لئے اپنا ووٹ استعمال کیا۔ ۱۹۴۹ء میں وہ پاکستان سول سروس کے ایک کورس میں شامل ہوئے، ۱۹۵۱ء میں ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل بلوچستان کے مشیر مقرر ہوئے۔ انہیں اطلاعات، بحالیات، تعلیم اور صحت کے محکمے سونپے گئے، پاکستان کے طول وعرض میں استعمال ہونے والی سوئی گیس پر حکومت پاکستان کو ۱۹۵۲ء میں جو دسترس حاصل ہوئی، وہ بھی نواب اکبر خان بگٹی کے تعاون سے ممکن ہوئی، حالانکہ ڈیرہ بگٹی سے متصل کوہلو میں بھی تیل اور گیس کے وسیع ذخائر ہیں، مگر مری قبیلے کی مزاحمت کے باعث حکومت ابھی تک ان ذخائر سے استفادہ نہیں کر سکی۔

نواب اکبر خان بگٹی ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۲ء تک سیاسی اور جمہوری عمل کا حصہ رہے۔ وہ نہ صرف ریاست کے وفادار رہے، بلکہ نظام مملکت کے اعلیٰ اداروں کے رکن اور اعلیٰ مناصب پر بھی فائز رہے۔ وہ بلوچستان کی جنگ ہمیشہ سیاسی انداز میں لڑتے رہے۔ حکومت میں رہے یا اپوزیشن میں، انہوں نے ریاست کے لئے خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں خان عبدالغفار خان (خدائی خدمت گار خان عبدالولی خان کے والد) کے بھائی ڈاکٹر خان کے مقابلے میں الیکشن لڑا، لیکن ایک ووٹ سے ہار گئے۔ ڈاکٹر خان کے قتل کے بعد وہ ۱۹۵۶ء میں پہلی بار پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے رکن بنے۔ ۱۹۵۳ء میں وزیر مملکت برائے داخلہ، ۱۹۵۸ء میں وزیر مملکت برائے دفاع رہے۔

جب وہ دفاع کے وزیر تھے تو اس وقت فیروز خان نون پاکستان کے (ساتویں) وزیر اعظم تھے۔ اس عہد میں نواب اکبر خان بگٹی نے مسقط سے گوادر کی خریداری میں اہم کردار ادا کیا، کیونکہ گوادر کی خریداری کے لئے بھارت بھی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اکبر خان نے فیروز خان نون کے کہنے پر اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور گوادر کی خریداری سے بھارت کو دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا اور پاکستان نے گوادر کو خرید لیا جہاں آج بندرگاہ بنائی جا رہی ہے اور اس پر امریکا اور بھارت کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ایوبی مارشل لاء لگا تو بلوچستان میں فوج کشی شروع کر دی گئی۔ ان دنوں میر غوث بخش بزنجو، نواب خیر بخش مری کے علاوہ، اکبر بگٹی بھی گرفتار کئے گئے۔ بگٹی پر اپنے بھائی احمد نواز خان کے سسر حاجی ہیبت کے قتل کا الزام لگا، سزائے موت سنائی گئی، جو رحم کی اپیل پر عمر قید اور تین برس بعد ایک اور اپیل پر رہائی میں تبدیل ہو گئی۔ ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں وہ ایبڈا (Elective Bodies Disqualification) یعنی "سیاستدانوں کے ملک کے انتظامی عہدوں سے دور رکھنے کا قانون" کے تحت عام انتخابات میں حصہ نہیں لے سکے۔ قتل کے مقدمے سے رہائی ملی تو ون یونٹ کے خلاف تحریک میں حصہ لیا تو سردار عطاء اللہ مینگل، نواب خیر بخش مری کے ساتھ اکبر بگٹی دوبارہ گرفتار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے اور ۱۹۶۹ء تک پسِ دیوارِ زنداں رہے۔ اس دوران بگٹی میانوالی، مچھ اور منٹگمری جیل میں رہے، رہائی کے بعد بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی (نیب) کو منظم کیا، چونکہ وہ ۵ سالہ معاہدہ کے تحت سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے تھے اس لئے نیب میں رکنیت کے بغیر رہے مگر ان کی محنت رنگ لائی، وہ خود تو ۱۹۷۰ء کا الیکشن نہ لڑ سکے مگر نیب بلوچستان کی سب سے بڑی سیاسی قوت بن کر ابھری۔ نیب برسراقتدار آگئی تو ان کے اور نیب کے راہنماؤں کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے اور وہ نیب سے الگ ہوکر لندن چلے گئے۔

نیشنل عوامی پارٹی (نیب) کو بلوچستان میں اکبر بگٹی نے پس پردہ رہ کر توانائی بخشی، مگر دوسرے سردار عطاء اللہ مینگل اور نواب خیر بخش مری نہیں چاہتے تھے کہ وہ آگے نکلیں، سو مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے سے قبل بگٹی کو نیب نے شیخ مجیب سے ملاقات کے لئے بھیجا مگر وہ ڈھاکہ پہنچے تو کوئٹہ میں نیب کے ترجمان نے اپنے بیان میں کہا کہ نواب بگٹی نیب کے نمائندے کے طور پر نہیں، بلکہ ذاتی حیثیت سے ڈھاکہ گئے ہیں۔ وہ اپنی خدمات کے عوض بلوچستان کی گورنری کے خواہشمند تھے مگر نیب کی قیادت نے اس معاملے پر بھی قدرے سرد مہری دکھائی۔ اس کے بعد نیب کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں محمود عزیز کرد اور زمرد حسین نے اعتراض کیا کہ اجلاس میں غیر ممبران بیٹھے ہیں، چونکہ نواب بگٹی قانونی طور پر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے تھے اس لئے انہوں نے نیب کی رکنیت کا فارم پُر نہیں کیا تھا۔ اس اعتراض کا اشارہ نواب بگٹی کی طرف تھا۔ سو وہ غصے میں اٹھ کر چلے گئے۔ اجلاس میں موجود سرداروں عطاء اللہ مینگل، خیر بخش مری اور غوث بخش بزنجو نے انہیں نہ روکا۔

اب نواب اکبر بگٹی جیسے انا پرست کے لئے ایک ہی راستہ بچا تھا کہ وہ بھٹو کا ساتھ دیں، سو وہ بھٹو کے ساتھ ماسکو گئے۔ بھٹو بلوچستان میں جمعیت علمائے اسلام اور نیب کی مخلوط حکومت ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت ایران میں رضا شاہ پہلوی کا طوطی بولتا تھا، جسے امریکی اشیرباد حاصل تھی۔ نیب کی شہرت روس نواز پارٹی کی تھی، لہٰذا ایران اور امریکا دونوں کی خواہش تھی کہ یہ مخلوط حکومت ختم کردی جائے۔ ۱۶ فروری ۱۹۷۳ء کو یہ کام انجام دے کر نواب بگٹی بلوچستان کے گورنر بن گئے۔ یوں نیب او نواب ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوگئے، اس کے بعد بھٹو نے فوج کشی کی۔ نواب مری کے علاقے میں آرٹلری اور ہوائی جہازوں دونوں کا استعمال ہوا، شاہ ایران نے امریکی ہیلی کاپٹر چینوک بھی اس مہم جوئی میں استعمال کے لئے دیئے۔ بگٹی اور بھٹو کی بھی زیادہ دیر نہ بنی، وہ صرف دس ماہ بعد جنوری ۱۹۷۴ء میں گورنری سے مستعفی ہوگئے۔ اس استعفی کے بعد وہ کچھ عرصے تک ائیر مارشل اصغر خان کی جماعت تحریک استقلال سے وابستہ رہے، جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں وہ گوشہ نشین رہے۔ مارشل لاء کے خلاف انوکھا احتجاج کرتے ہوئے انہوں نے اردو زبان کا بائیکاٹ کردیا۔ ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں ڈیرہ بگٹی کی صوبائی نشست پر اپنے بڑے صاحبزادے سلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکبر بگٹی کو کامیاب کرایا، ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں نواب صاحب نے خود الیکشن لڑا اور کامیاب ہوئے۔ کامیابی کے بعد انہوں نے بلوچستان نیشنل موومنٹ کے ساتھ مل کر بلوچستان میں مخلوط حکومت کی تشکیل کی کوشش کی۔ اکثریت ثابت ہونے پر اسمبلی توڑ دی گئی، نواب نے عدالت عالیہ میں رٹ دائر کر کے اسمبلی بحال کرائی۔ ۱۹۸۹ء میں وہ وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے، ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو صدر غلام اسحٰق خان نے تمام اسمبلیاں توڑ دیں تو نواب کے داماد میر ہمایوں مری بلوچستان کے نگران وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ۱۶ اگست ۱۹۹۰ء کو ایک نئی جماعت جمہوری وطن پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۹۰ء میں خود بلا مقابلہ منتخب ہوئے اور ان کی ایک پارٹی بڑی سیاسی جماعت کے طور پر ابھری۔ ان کے پارٹی منشور میں اس بات کو زیادہ اہمیت دی گئی کہ پاکستان کے اندر رہ کر صوبوں کے لئے زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل کی جائے۔ اکثریت کے باوجود انہیں حکومت نہ بنانے دی گئی۔ مسلم لیگ اور جے یو آئی نے مل کر حکومت بنائی اور تاج محمد جمالی وزیر اعلیٰ بنے۔ نواب بگٹی متفقہ طور پر قائد حزب اختلاف منتخب ہوئے۔ ۱۹۹۲ء میں تاج جمالی کے خلاف عدم اعتماد ہوا اور نواب ذوالفقار علی مگسی قائد ایوان بن گئے۔

۱۹۹۳ء میں اسمبلیاں دوبارہ توڑ دی گئیں، جب عام انتخابات ہوئے تو وہ ڈیرہ بگٹی سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں وہ روایتی بلوچی لباس میں شریک ہوئے اور بلوچی زبان میں تقریر کی، انہوں نے مرکز میں فاروق لغاری کی حمایت کی اور انہیں صدر منتخب کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۹۶ء میں پھر اسمبلیاں ٹوٹیں اور بے نظیر حکومت ختم ہوگئی۔ ۱۹۹۷ء کے انتخابات میں وہ ایک بار پھر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور صوبائی سیٹ پر ان کے بیٹے سلیم اکبر بگٹی کامیاب ہوئے۔ اس الیکشن میں نواب کی پارٹی کو وہ اکثریت حاصل نہ ہوئی، جو متوقع تھی، البتہ صوبائی حکومت کی تشکیل میں ان کی پارٹی نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ مخلوط حکومت ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء (موجودہ مارشل لاء) تک قائم رہی۔

نواب اکبر خان بگٹی پاکستان کی سیاست کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جن کے ہاتھ میں پیدائشی طور پر اقتدار کی لکیر ہوتی ہے۔ جنرل مشرف کے برسر اقتدار آنے کے بعد ۲۰۰۲ء میں انتخابات ہوئے تو BA کی شرط کے باعث وہ خود اور ان کی پارٹی زیادہ قابل ذکر کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکی۔ نواب اکبر بگٹی اور موجودہ حکومت کے مابین اس وقت کشمکش شروع ہوئی، جب سوئی کے مقام پر ڈاکٹر شازیہ کے ساتھ زیادتی ہوئی، جس کا الزام ایک حاضر سروس فوجی افسر پر لگایا گیا۔ نواب بگٹی نے آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا جو بظاہر پورا نہ ہوا تو انہوں نے اپنی سپاہ کے ذریعے حکومت کو دباؤ میں لانے کی کوشش کی اور تخریبی کارروائیوں کے ذریعے گیس پائپ لائنوں اور بجلی کے ٹاوروں کو اڑایا گیا جس کے جواب میں حکومت نے ایک طرف انتظامی اقدامات کے ذریعے قومی اثاثوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا۔ یہ مذاکرات تین سطحوں پر ہوئے (۱) آئینی امور کا احاطہ کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے بیرسٹر وسیم سجاد کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی (۲) دوسری سطح کے مذاکرات کے لئے پی ایم ایل (ق) کے جنرل سیکرٹری مشاہد حسین کی سربراہی میں کمیٹی قائم ہوئی جس نے گزشتہ ماہ رپورٹ وزیر اعظم شوکت عزیز کو دی، اس میں کل ۳۳ نکات تھے، جن میں سے ۳۰ نکات پر عملدرآمد کا فوری اعلان کر دیا گیا جب کہ باقی تین نکات پر عمل کے لئے حکمت عملی کا وعدہ کیا گیا (۳) در پردہ مذاکرات میں مراعاتی پیکج پر بات چیت ہوتی رہی۔ پارلیمنٹ کے سرکردہ ارکان پر مشتمل وفد نے ڈیرہ بگٹی کا دورہ کیا۔

ایک مرحلے میں حالات طے ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے مگر ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کو جنرل مشرف اور آئی جی فرنٹیئر کور کے ہیلی کاپٹر پر حملے نے صورت حال کو یکسر بدل ڈالا۔ سکیورٹی فورسز نے نواب کے قلعے پر حملہ کر دیا اور انہیں اپنا آبائی قلعہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ مذاکرات میں ہر بار حکومت پر بازی الٹنے والے شاید حالات کا درست اندازہ نہیں لگا سکے کیونکہ ان کے حکومتی ٹیم سے مذاکرات کے بعد اس اعلان سے کہ انہوں نے صرف اس مسئلے پر بات کی ہے باقی مسائل پر بات کرنے کے لئے دوسری پارٹیاں موجود ہیں، قوم پرست پارٹیاں ٹھٹھک گئیں کہ اگر ماضی کی طرح نواب نے حکومت سے معاہدہ کر لیا تو قوم پرستی کا ایندھن تحریک کی شکل اختیار نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ قوم پرستوں نے "دیکھو اور انتظار کرو" کی پالیسی اپنالی۔ وہ نواب کی مدد کرنے کی بجائے ان کی جدوجہد کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتی رہیں۔ نواب بگٹی "جھالاوان خاموش ہے" (عطاء اللہ مینگل) کی دہائی دیتے رہے مگر دوسری طرف خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کی وجہ ۱۹۷۳ء میں اپنے دور گورنری میں بلوچوں کی جدوجہد سے کنارہ کشی تھی جسے دوسرے قوم پرست سردار غداری سے تعبیر کرتے تھے۔ یہ خلش اکبر بگٹی کو بھی بے چین رکھتی تھی اس لئے انہوں نے اس داغ کو دھونے کے لئے زندگی کی بازی ہارنے کی ٹھان لی جس کا اعلان انہوں نے یوں کیا "میں بہادری سے موت کو قبول کر لوں گا، اس عمر میں حکومت کے سامنے جھک کر اپنے ماتھے پر سیاہی نہیں ملنا چاہتا"۔ مقتدرین نے ۸۰ سالہ بوڑھے بلوچ کو اس کی مرضی کی موت دے کر بلوچ تاریخ میں امر کر دیا اور پاکستان کی تاریخ میں ایک اور خون کے دھبے کا اضافہ ہو گیا۔ بگٹی کو غیر ملکی آلۂ کار کہنے والے ایک لمحے کے لئے سوچیں کہ اگر واقعتاً ایسا تھا تو وہ جن کا آلۂ کار تھا ان سے مذاکرات کی بھیک کیوں مانگی جا رہی ہے؟

عجیب منظر ہے کہ دشمن کی بلائیں لی جا رہی ہیں اور جس پر صرف الزام تھا، اسے غار سے دار تک پہنچا دیا گیا۔

آخر مؤرخ یہ سوال ضرور کرے گا کہ دو تہائی سے زیادہ اکثریت کا حامل مجیب غدار ٹھہرا، مگر یحییٰ خان جس نے ملک دولخت کر دیا، وہ ۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو نظر بند ہوا تو اسے تمام سہولتیں حاصل تھیں۔ ۱۹ اگست ۱۹۸۰ء کو وہ مرا تو اسے ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ خدا نہ کرے کہ بلوچستان پر حالیہ فوج کشی ملک کے جغرافیے پر اثر انداز ہو۔ ہمارے حکمران نتائج و عواقب کی پرواہ کئے بغیر اپنی مخالفت کو ریاست کی مخالفت کا نام دے کر غدار، باغی اور مجرم کے سرٹیفکیٹ کیوں بانٹتے پھرتے ہیں؟

☆☆

© rasailojaraid.com